سلیمان

پی۔ایچ۔ڈی سکالر (اُردو)

بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی، اسلام آباد

مقدماتِ باغ و بہار: تقابلی تحقیق کی روشنی میں

(رشید حسن خان اور مرزا حامد بیگ کے خصوصی حوالے سے)

In this article, a comparative research analysis of the prefaces of "Bagh-o-Bahar" by Rashid Hasan Khan and Mirza Hamid Baig is presented. Its purpose is to critically evaluate the standard of research of the critics. The aim of Rashid Hasan Khan is to edit the authentic text of "Bagh-o-Bahar". Consequently, in his preface, he has discussed the biography of Mir Aman, the editing stages of "Bagh-o-Bahar", different approaches to its authentic manuscripts and the linguistic elements of "Bagh-o-Bahar" briefly but comprehensively. Mirza Hamid Baig has set a high standard of editing of "Bagh-o-Bahar" by conducting an analytical study of the same. He has also pointed out the deficiencies and discrepancies in the work of Rashid Hasan Khan. This article has encompassed the research and critical analysis of the commonalities in the two prefaces of "Bagh-o-Bahar" by both the critics.

فورٹ ولیم کالج کی داستانیں اردو ادب کے صحیفے ہیں۔ان داستانوں میں سے میر امّن کی باغ و بہار کو سب سے زیادہ شہرت نصیب ہوئی ۔ اگر چہ اس کی تالیف کو دو صدیوں سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے لیکن آج بھی اس کی مقبولیت کم نہیں ہوئی۔ ان دو صدیوں میں اردو زبان و ادب نے کئی روپ بدلے ہیں اور زبان کے ساتھ ساتھ طرز املا میں بھی کئی تبدیلیاں رونما ہو چکی ہیں لیکن میر امن کی زبان آج بھی تازگی اور لطافت کا اعلیٰ نمونہ سمجھی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ داستان آج بھی ہمارے نصابوں کا لازمی حصہ قرار دی جاتی ہے۔ باغ و بہار نہ صرف قصے کی دلچسپی کے باعث بلکہ زبان کی صفائی کے اعتبار سے بھی ایک اعلیٰ پائے کی کتاب ہے۔ بقول مولوی عبد الحق:

> ”میر امّن کا قصہ چہار درویش، فی الحقیقت باغ و بہار ہے۔ یہ اردو نثر کی ان چند کتابوں میں سے ہے جو ہمیشہ زندہ رہنے والی ہیں۔ اس کی مقبولیت کا بہت بڑا راز اس کی فصاحت اور سلاست میں ہے“(۱)

سید احتشام حسین باغ و بہار کی تعریف میں لکھتے ہیں: میر امّن کی باغ و بہار ان تصنیفات میں سے ہے جو ایک دفعہ پیدا ہو کے پھر کبھی نہیں مرتیں۔(۲) کلاسیکی داستانوں میں یہ شرف بھی باغ و بہار ہی کو حاصل ہے کہ اس کتاب پر سب سے زیادہ تحقیقی و تنقیدی کام ہوا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ باغ و بہار جس قدر مقبول داستان ہے، اس کے مآخذ اور

مصنف کے بارے میں اسی قدر کم معلومات ملتی ہیں۔ مرور ایام کے ساتھ ساتھ باغ و بہار کے بہت سے مطبوعہ اور غیر مطبوعہ نسخے منظر عام پر آتے رہے اور کثرت تعبیر سے یہ خواب اور پریشاں ہوگیا۔ باغ و بہار کے مآخذ و مراجع اور تراجم سے متعلق تمام تر تحقیق وتنقید کے باوجود باغ و بہار کے ایک معتبر متن کی تدوین اور مفصل مطالعے کی ضرورت تھی۔

اس حوالے سے مولوی عبدالحق، رشید حسن خان، مرزا حامد بیگ اور ابن کنول نے باغ و بہار کی تدوین وتحقیق کی خدمات سرانجام دی ہیں۔ مذکورہ بالا محققین میں سے رشید حسن خان اور مرزا حامد بیگ کی تدوین کا کام نہایت وقیع اور قابل ستائش ہے۔ان دونوں نے اپنی اپنی تحقیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے باغ و بہار کی تدوین اور معتبر متن تیار کر کے اردو افسانوی ادب میں ایک اہم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ دونوں محققین نے باغ و بہار کو مدون کرنے کے بعد اپنے تحقیقی کام کے حوالے سے جو جامع اور مبسوط مقدمات قلم بند کیے ہیں، وہ تحقیقی نوعیت کے ہیں۔ واضح رہے کہ تحقیقی مقدمہ بنیادی طور پر صاحب کتاب کی حیات اور شخصیت کے بارے میں معلوماتی کوائف مہیا کرتا ہے۔ (۳) جتنے نسخوں کی مدد سے متن کی تصحیح و تدوین کی گئی ہو اُن تمام نسخوں کا مفصل تعارف تحقیقی مقدمہ میں درج کیا جاتا ہے۔متن کے مصادر، متن میں ترمیم اور قدیم متن کا لسانی اعتبار سے تجزیہ بھی مقدمے میں شامل ہوتا ہے۔علاوہ ازیں عموماً تقابلی تحقیق میں ایک ادب کا دوسرے ادب سے، یا کئی ادیبوں کا ایک دوسرے سے تقابل کیا جاتا ہے۔ اکثر ایک ادیب کا دوسرے ادیب سے یا ایک ادیب کی تخلیق کا دوسرے کی تخلیق سے تقابل کر کے حاصل شدہ نتائج کو مبسوط انداز میں تحریر کیا جاتا ہے۔ چنانچہ اس مقالے میں رشید حسن خان اور مرزا حامد بیگ کے تحریر کردہ مقدماتِ باغ و بہار کا تقابلی تحقیق کی روشنی میں جائزہ مقصود ہے۔

رشید حسن خان نے اپنے تحقیقی مقالات اور تبصروں کی اشاعت کے بالکل ابتدائی دور ہی میں ایک ژرف نگاہ اور با اُصول وسخت گیر محقق کی حیثیت سے جو شہرت حاصل کر لی تھی، وہ بڑوں بڑوں کے لیے باعث رشک تھی۔(۴) دہلی یونی ورسٹی کی ملازمت سے سبکدوشی کے بعد ایک چھوٹے سے شہر شاہ جہان پور میں خانہ نشینی کی زندگی گزارتے ہوئے وہ اپنے اس علمی مشن کو جس تندہی اور تسلسل کے ساتھ جاری رکھے ہوئے تھے اس نے ان کی شخصیت کو زیادہ مغتنم اور محترم بنا دیا۔(۵) باغ و بہار ہو فسانۂ عجائب ہو یا مثنوی سحر البیان رشید حسن خان نے ایک معتبر مدون کی حیثیت سے مذکورہ بالا کتابوں کی تدوین کا کام پایہ تکمیل تک پہنچایا ہے۔اسی طرح مرزا حامد بیگ اردو ادب کے ایک مایہ ناز محقق اور نقاد ہیں ۔تنقید، تحقیق، افسانہ اور تراجم کے حوالے سے اب تک ان کی پینتیس کتابیں شائع ہو چکی ہیں ۔ بالخصوص باغ و بہار کی تدوین اور ''میر امّن دلّی والے'' کے عنوان سے ان کا مضمون تحقیقی معیار کا ایک اہم ثبوت ہے۔

باغ و بہار کا پہلا تنقیدی ایڈیشن رشید حسن خان نے تیار کیا تھا۔ جو مکتبۂ جامعہ نئی دہلی کے سلسلہ معیاری ادب کے تحت ۱۹۶۴ء میں شائع ہوا تھا (۶) لیکن خان صاحب اپنے اس کام سے خود مطمئن نہیں تھے۔ کیوں کہ اس ایڈیشن کی تیاری کے دوران انھیں احساس ہوگیا تھا کہ باغ و بہار کا سائنٹی فک انداز میں تنقیدی ایڈیشن تیار کرنا بہت محنت طلب ہے اور اس کام کی تکمیل کے لیے کئی سال کی مدت درکار ہے۔ انھوں نے ۱۹۶۴ء ہی سے اس کام کا ڈول ڈال

دیااور اہم ایڈیشنوں کی تلاش شروع کردی۔(۷) باغ و بہار کے۱۰۲صفحوں کا متن پہلی بار ۱۸۰۲ء میں ہندی مینول میں شائع ہوا تھا۔ وہ کہاں ہے؟ یہ بات کسی کو معلوم نہیں تھی۔ اس کا مکمل ایڈیشن ۱۸۰۱ء میں شائع ہواتھا۔ ان دونوں روایتوں کے ساتھ ساتھ انھوں نے اس کی اس خطی روایت کو بھی تلاش کر لیا جس پر میر امن نے نظر ثانی کی تھی۔ (۸) اس کے علاوہ ڈنکن فاربس اور مولوی عبدالحق کے مرتبہ ایڈیشن بھی خان صاحب کے پیش نظر رہے(۹) رشید حسن خان نے اپنے مقدمے میں باغ و بہار کے مستند ایڈیشن کی تدوین اور اس کے لیے معتبر نسخوں کی تلاش کے حوالے سے لکھا ہے:

''حکومت جموں کشمیر کے مالی تعاون سے مکتبۂ جامعہ (نئی دہلی) نے 'معیاری ادب' کے نام سے مشہور کلاسیکی متون کو چھاپنے کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا۔ ۔۔۔۔' باغ و بہار' بھی اس سلسلے کی کتابوں کی فہرست میں شامل تھی۔۱۹۶۳ء میں اس کو مرتب کرنے کی ذمے داری مجھے سونپی گئی تھی۔۱۹۶۴ء میں یہ ایڈیشن پہلی بار شائع ہوا تھا۔ اس وقت یہ بات میرے ذہن میں بیٹھ گئی تھی کہ یہ نا تمام کام ہے اور یہ کہ اس کتاب کی تدوین آسان کام نہیں۔ اس میں کئی مہینے نہیں، کئی سال صرف ہوں گے۔ یہ بات بھی انھی دنوں سمجھ میں آ گئی تھی کہ اس کتاب کی اشاعتِ اوّل [ہندوستانی چھاپہ خانہ، کلکتہ، سالِ طبع: ۱۸۰۴ء] سے پہلے کی ایک مطبوعہ روایت [مشمولہ ہندی مینول، سال طبع: ۱۸۰۲ء] کو تلاش کرنا از بس ضروری ہے۔(۱۰)

رشید حسن خان اپنے مقدمۂ باغ و بہار میں مستند نسخوں کی تلاش کی بابت مزید لکھتے ہیں:

''تدوین کے نقطۂ نظر سے باغ و بہار کے تین نسخے قابل ذکر ہیں۔ زمانی ترتیب کے مطابق سب سے پہلے 'ہندی مینول' کا نام آتا ہے۔ جس میں اس کے ۱۰۲ صفحات پہلی بار شامل کیے گئے تھے۔ دوسرا نسخہ وہ ہے جو مکمل صورت میں پہلی بار ہندوستان پریس کلکتے میں چھپا تھا اور تیسرا نسخہ وہ ہے جسے ڈنکن فاربس نے مرتب کیا تھا۔ ضمنی طور پر اس کا ایک موخر نسخہ بھی قابل ذکر ہے جسے مولوی عبدالحق صاحب نے مرتب کیا تھا۔''(۱۱)

رشید حسن خان نے باغ و بہار کی تدوین کے وقت جس نسخے کو ترجیح دی وہ ہندی مینول کے۱۰۲صفحات تھے۔ تاہم ہندی مینول ہے کہاں؟ اس کی خبر ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی نے اُنھیں دی کہ مذکورہ مینول انڈیا آفس لائبریری لندن میں موجود ہے۔ جبکہ ہندی مینول میں شائع شدہ ۱۰۲صفحات کا عکس محمد قاسم دلوی نے لندن سے بھیجا۔ وہ اپنے مقدمے میں اس طرح رقم طراز ہیں:

''جناب محمد قاسم دلوی نے لندن سے اس کے اوّل و آخر کے دو صفحات کے اور باغ و بہار کے ۱۰۲صفحوں کا عکس بھیجا ہے۔ اس کتاب کے یہی اجزاء میرے سامنے ہیں۔'' (۱۲)

رشید حسن خان نے باغ و بہار کی تدوین کے لیے انڈیا آفس لائبریری لندن کا جو نسخہ منتخب کرنے کی تفصیل بیان کی ہے۔ اس نسخے کو ڈاکٹر مرزا حامد بیگ نے اس وجہ سے ہدف تنقید بنایا ہے کہ یہ خطی نسخہ نہیں ہے۔ اسکا ترقیمہ موجود نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ نسخہ نہ تو میر امن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور نہ مصنف کی تصدیق شدہ نقل ہے۔ (۱۳)

اپنے مقدمۂ باغ و بہار میں مرزا حامد بیگ ہندی مینول کے حوالے سے رقم طراز ہیں:

''جہاں تک ہندی مینول (THE HINDI MANUAL) مطبوعہ ہندوستان پریس، کلکتہ، اپریل ۱۸۰۲ء کا تعلق ہے تو اس کا ایک نسخہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری لاہور میں موجود ہے۔ میری نظر سے بھی گزرا ہے اور ڈاکٹر گوہر نوشاہی نے ۶۴۔۱۹۶۳ء میں اسے مجلس ترقی ادب، لاہور کے لیے بیتال پچیسی مرتب کرتے وقت دیکھا اور برتا ہے۔'' (۱۴)

مزید یہ کہ مرزا حامد بیگ نے اپنے مقدمۂ باغ و بہار میں پنجاب یونی ورسٹی لاہور کی لائبریری میں موجود نہ صرف ہندی مینول کے ایک نسخے کا ذکر کیا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ باغ و بہار کی تدوین کے محرکات پر سیر حاصل روشنی ڈالی ہے۔ لکھتے ہیں:

''رشید حسن خان کے نظر ثانی شدہ مقدمہ بابت: ۲۸ جولائی ۱۹۹۱ء مشمولہ باغ و بہار، مطبوعہ نقوش، لاہور طبع اوّل ۱۹۹۲ء کی اشاعت اور مجھے رد کرنے کے ضمن میں ڈاکٹر گیان چند کی تائید مزید کے بعد یہ ضروری ہو گیا کہ محققین کے سامنے یہ مقدمہ از سرنو رکھا جائے۔ پھر یہ خیال کر کے کہ اس کام کے ساتھ کیوں نہ باغ و بہار کا ایک مستند متن بھی نذر قارئین کر دیا جائے۔ میں نے باغ و بہار کا نسخۂ فیض اللہ، مرتبہ فاضل مولویان (نظر ثانی شدہ ایڈیشن) مطبوعہ کلکتہ، ایل منڈیس، کمرشل ایڈ ورٹائزرز پریس طبع چہارم: ۱۸۴۳ء (جس پر فورٹ ولیم کالج کی بیضوی مہر ثبت ہے) کو چُنا۔ یہ نسخہ پنجاب یونی ورسٹی لائبریری (اورینٹل سیکشن) میں کلاس نمبر ش۔۴۳۳ ۸۹۱ء۔ بک نمبر ا۔ ۱۶۸۸ کے تحت موجود ہے اور اس کی ایک کاپی میرے ذاتی ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے۔'' (۱۵)

رشید حسن خان نے اپنے جامع مقدمۂ باغ و بہار میں اس داستان کے نام کے بارے میں بحوالۂ عتیق صاحب اپنی تحقیق کی بابت لکھا ہے:

''فورٹ ولیم کالج کی کارروائیوں کے رجسٹر کے مطابق اس کا نام 'چار درویش' ہے۔ اس طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جب اس کتاب کی پہلی روایت مکمل ہوئی تھی، تو اس کا نام 'چار درویش' تھا بعد کو جب میر امن نے پہلی روایت پر نظر ثانی کی، تب اس کا تاریخی نام باغ و بہار رکھا۔۔۔۔۔۔ 'ہندی مینول' میں مشمولہ کتابوں کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ ایک طرف اردو رسم الخط میں اور دوسری طرف رومن رسم الخط میں۔ یہ معلوم ہے کہ 'ہندی مینول' ۱۸۰۲ء میں چھپا ہے۔ یہ سال طباعت اس کے سرورق پر مرقوم ہے اور ۱۸۰۲ء کے وسط تک میر امن نظر ثانی کا کام مکمل کر چکے تھے۔ جب مینول کی فہرستِ مضامین تیار کی گئی تو اس وقت نظر ثانی کا کام مکمل ہو چکا تھا اور چار درویش کا نام باغ و بہار رکھا جا چکا تھا۔'' (۱۶)

مرزا حامد بیگ نے اپنے مقدمۂ باغ و بہار میں باغ و بہار کے نام کے قضیے کی وضاحت تحقیقی بنیاد پر کچھ اس طرح کی ہے:

''کالج کونسل کی کارروائیوں اور 'ہندی مینول' مرتبہ: گلکرسٹ، مطبوعہ: فورٹ ولیم کالج ہندوستانی پریس کلکتہ: ۱۸۰۲ء کے مطابق باغ و بہار کا پہلا نام چار درویش ہے اور پہلی بار ہندوستانی پریس کلکتہ سے

طبع شدہ 'ہندی مینول' میں شامل باغ و بہار کے ۱۰۲صفحات اسی نام سے شائع ہوئےتھے۔نظرثانی (۱۸۰۳ء) کے بعد میر امن نے سالِ تصنیف ۱۸۰۲ء (جسے نظر ثانی کا سال کہنا مناسب ہوگا) کی مناسبت سے'' باغ و بہار'' کا نام دیا۔'' (۱۷)

میرامّن کی زندگی کے حالات بہت کم معلوم ہیں۔ میر امّن کے نام اور تخلص سے لے کر تاریخ وفات تک بہت سی باتیں درست نہیں (۱۸) رشید حسن خان میر امّن کے سوانحی حالات میں کوئی اہم اضافہ تو نہیں کر سکے ،لیکن اب تک جو حالات پیش کیے گئے تھے خان صاحب نے ان کا محققانہ جائزہ لے کر کئی مفروضات کی تردید اور صحیح صورت حال کی نشاندہی کی ہے۔(۱۹) میر امّن کے نام کے حوالے سے رشید حسن خان مقدمۂ باغ و بہار میں لکھتے ہیں:

'' باغ و بہار اور گنج خوبی ، دونوں کتابوں کے دیباچوں میں انھوں نے اپنا نام'' میر امّن '' لکھا ہے۔ باغ و بہارطبع اوّل کے سرورق پر اور اس کے آخری صفحے پر بھی'' میر امّن '' ملتا ہے اور ہندی مینول میں بھی یہی ہے۔ اس عہد کی کسی اور کتاب میں کسی اور جگہ'' میر امّن '' کے سوا اور کوئی دوسرا لفظ نہیں ملتا جس سے یہ گمان بھی کیا جا سکے کہ ان کا نام کچھ اور ہوگا۔'' (۲۰)

جبکہ اس بابت مرزا حامد بیگ اپنے مقدمۂ باغ و بہار میں کچھ یوں رقم طراز ہیں:

'' لیکن یہ ڈاکٹر جان گلکرسٹ ہی ہیں جنھوں نے فورٹ ولیم کالج کے انتخابی مجموعہ'' Hindi Manual'' (مطبوعہ:۱۸۰۴ء) اور باغ و بہار (مطبوعہ:۱۸۰۴ء) کے اوّلین ایڈیشن کے سرورق پر مصنف/مترجم کے اصل نام کی بجائے صرف'' میر امّن'' طبع کروانے کی غلطی کر کے میر امان علی امّن دلی والے کے جملہ احوال و آثار اور آئندہ تصنیفی کارناموں کو یکسر اندھیروں میں دھکیل دیا۔'' (۲۱)

مرزا حامد بیگ کے نزدیک میر امّن کے اصل نام کا معاملہ مدت مدید تک کھٹائی میں پڑا رہا۔(۲۲) سنہ پیدائش کا تعین مدت تک دشوار رہا۔ (۲۳) میر امّن کی تصنیفی و تالیفی زندگی فورٹ ولیم کالج ،کلکتہ تک محدود ہو کر رہ گئی (۲۴) سنہ ۱۸۰۶ء کو ان کا سالِ وفات تصور کر لیا گیا۔ (۲۵) میر امن کے نامور بیٹے ریختی گو شاعر میر یار علی جان صاحب کے حوالے سے بھی میر امّن کے حالاتِ زندگی کی پڑتال ممکن نہ ہو سکی، اور یوں میر امّن کے احوال و آثار کو وقت کی دبیز تہہ نے کلی طور پر ڈھانپ دیا۔میر امّن نے اپنے وقت کے دستور کے مطابق اپنا تخلص ہی برتا اور چار درویش المعروف باغ و بہار اور گنج خوبی کے دیباچوں میں اپنا نام'' میر امّن دلی والے'' درج کیا۔(۲۶)

مرزا حامد بیگ نے مقدمۂ باغ و بہار میں بحوالہ ستیہ شمسیہ میر امّن کے نام کی بابت حتمی رائے کچھ یوں قائم کی ہے:

'' چار درویش' المعروف باغ و بہار اور گنج خوبی'' (ترجمہ: اخلاق محسنی) کے بعد کے کارنامے میر امّن کو ''میر امان علی دلی والے'' ثابت کرتے ہیں۔'' (۲۷)

رشید حسن خان میر امّن کے تخلص کے حوالے سے اپنے مقدمۂ باغ و بہار میں اپنی تحقیقی بصیرت کا نچوڑ کچھ یوں درج کرتے ہیں :

''رسالہ نقوش ،لاہور کے خاص نمبر (دسمبر : ۱۹۸۷)میں مرزا حامد بیگ صاحب نے 'میر امّن دلّی والے' کے عنوان سے ایک طویل مضمون لکھا ہے جس میں بے بنیاد قیاسات پر تفصیلات کی بنیاد رکھی ہے؛۔۔۔۔ گنج خوبی کا جو خطی نسخہ میر امّن کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اس کے آخری صفحے پر قطعۂ تاریخ تاریخ گنج خوبی کے عنوان کے تحت لکھا گیا ہے اور اس قطعہ کے آخر میں میر امّن نے اپنے قلم سے میر امّن لطف لکھا ہے ۔ اس کے بعد اس میں کسی شبے کی گنجائش نہیں رہتی کہ ان کا نام میر امّن اور تخلص لطفؔ تھا۔'' (۲۸)

رشید حسن خان مزید لکھتے ہیں :

''کریم الدین نے اپنے اردو تذکرے طبقات الشعرائے ہند میں امانؔ و لطفؔ کے تحت'' میر امان دہلوی'' لکھا ہے۔ یعنی اس تذکرے میں ان کا نام'' میر امان'' ملتا ہے اور تذکرہ نگار نے '' امّن'' کو تخلص بتایا ہے۔ مگر ان میں سے کوئی بات درست نہیں ۔ کریم الدین نے اپنے مآخذ کا حوالہ دیا ہی نہیں اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ چوں کہ انھوں نے یہ فرض کر لیا ہے کہ تخلص'' امّن'' تھا۔ اس لیے یہ بھی قیاساً مان لیا کہ پھر ان کا نام ''میرامان'' ہوگا۔ لیکن یہ وہی بات ہے جس کے لیے کہا گیا ہے کہ بناءِ الفا سد علی الفاسد۔۔۔۔ اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کریم الدین نے نام اور تخلص کے سلسلے میں جو کچھ لکھا ہے، وہ ان کا اپنا ہی گمان اور قیاس ہے جو قابل قبول نہیں ۔''(۲۹)

مرزا حامد بیگ نے اپنے مقدمۂ باغ و بہار میں ایک طرف رشید حسن خان کی تحقیقی کم فہمی کا خوب جواب دیا ہے تو دوسری طرف میر امّن کے تخلص کا قضیہ بھی مستند دلائل سے حل کر لیا ہے۔ لکھتے ہیں:

''رشید حسن خان کا یہ بیان پڑھ کر ایک مقولہ یاد آ گیا 'الٰہی مرا بیامرز دیگراں را تو دانی۔خان صاحب کا یہ بیان بلاشک وشبہ مستند حوالہ سے بے خبری کا واضح ثبوت ہے ۔تذکرہ طبقات الشعرائے ہند ہرگز مولوی کریم الدین کا تحریر کردہ تذکرہ نہیں۔ یہ تو گارسیں دتاسی کی تاریخ ہندوی وہندوستانی لٹریچر کی پہلی جلد Biographic et biographic مطبوعہ: پیرس طبع اوّل ۱۸۳۹ء کا ترجمہ مع اضافہ جات ہے۔(۳۰)

مزید برآں مرزا حامد بیگ نے میر امّن کے لطف تخلص کرنے سے متعلق ڈاکٹر وحید قریشی کی تحقیق کو حتمی مانا ہے۔ اس بابت مقدمہ ٔباغ و بہار میں لکھتے ہیں:

''میر امّن کے لطفؔ تخلص کرنے سے متعلق ڈاکٹر وحید قریشی کی تحقیق پر کوئی اضافہ ممکن نہیں ، بقول موصوف وہ معمولی شد بد کے شاعر تھے انھیں خود بھی اپنی شاعرانہ حیثیت کا احساس ہے ۔۔۔۔بعض متاخر کتب میں ان کے دو تخلص بیان کیے گئے ہیں امّن اور لطف ۔ لطفؔ تخلص کا استدلال باغ و بہار کے اس شعر سے کیا گیا ہے۔

تو کونین میں لطفؔ پر لطف رکھ

خدایا بہ حق رسولِ کبار

لیکن شعر میں کوئی قرینہ نہیں کہ میر امّن کا تخلص لطف قرار دیا جائے ۔ مرزا علی لطف ، مولف ''تذکرہ گلشن ہند'' شاعر تھے اور لطف تخلص کرتے تھے۔۔۔۔قیاس یہ ہے کہ میر امّن نے باغ و بہار میں بھی اس لطفؔ کا شعر دیا ہے اور لطف میر امن کا اپنا تخلص نہیں تھا۔(۳۱)

لیکن رشید حسن خان اس بابت مرزا حامد بیگ سے اختلاف کرتے ہوئے اپنے مقدمۂ باغ و بہار میں لکھتے ہیں:

''صحیح صورت حال یہ ہے کہ میر امّن کا صرف ایک تخلص لطف تھا اور جن اشعار کو مرزا علی لطفؔ سے منسوب کیا گیا ہے وہ سب میر امّن لطفؔ کے ہیں۔۔۔۔ میر امن کے لطف تخلص کرنے سے متعلق ڈاکٹر وحید قریشی کی تحقیق پر کوئی اضافہ ممکن نہیں' البتہ موصوف نے اس رائے کا اضافہ کیا ہے کہ باغ و بہار کے خاتمۂ کتاب میں مرزا علی لطفؔ کی شمولیت کا ایک سبب یہ بھی رہا ہوگا کہ لطفؔ ڈاکٹر جان گلکرسٹ کے بہت قریب تھے۔ نہ ڈاکٹر صاحب کا خیال درست ہے اور نہ مرزا صاحب کی قیاس آرائی قابل قبول ہے۔'' (۳۲)

اگر رشید حسن خان صاحب محض '' ہندی مینول' 'مرتبہ گلکرسٹ کے پہلے اور آخری صفحات کا عکس (مشولہ : ''باغ و بہار''مرتبہ: رشید حسن خان) فراہم کرکے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ میر امّن کا اصل نام'' میر امان علی'' نہیں تھا یا ان کا تخلص '' امّن'' نہیں'' لطفؔ'' تھا تو ان کی بات کیسی مانی جائے ۔ گارسیں دتاسی نے واضح طور پر لکھا ہے کہ'' امّن'' امان علی کا ایک گنوار تلفظ ہے، تخلص '' لطفؔ'' کو دتاسی نہیں مانتے اور اس معاملے کو فارسی کلام سے ثبوت کا محتاج قرار دیتے ہیں (۳۳) گنج خوبی کا دیباچہ یہ ثابت کرتا ہے کہ'' لطف'' میر امّن کا تخلص نہیں تھا، میر امن لکھتے ہیں : اورعین مقابلے کے وقت کا قطعہ لطفؔ کا ہے''(۳۴) راقم کے نزدیک میر امّن کے تخلص کے ضمن میں مرزا حامد بیگ کی تحقیق زیادہ وقیع ہے۔ مرزا حامد بیگ نے میر امّن کی اولاد اور اہل خانہ کے حوالے سے مشہور ریختی گوشاعر جانصاحب کو میر امن کا بیٹا قرار دیا ہے۔ اس بابت رشید حسن خان اپنے مقدمے میں لکھتے ہیں :

''مرزا حامد بیگ نے انے مقالے میں لکھنؤ کے مشہور ریختی گوجان صاحب کو میر امّن کا بیٹا بتا یا ہے ۔ ۔۔۔۔مقالہ نگار نے اپنے قیاس کی بنیاد تذکرہ سخن شعرا (تالیف : عبدالغفور نسّاخ) کے اندراج پر رکھی ہے، نسّاخ نے جان صاحب کے لیے لکھا ہے: جان صاحب ، میر یار علی خلف میر امن لکھنوئی ، شاگرد اشور علی خان بہادر ، ریختی اپنے طرز پر خوب کہتے تھے۔۔۔۔میر امن کے لکھنوی اور فرخ آبادی ہونے کے اختلاف کی مقالہ نگار نے تاویل اس طرح کی ہے: کہا جا سکتا ہے کہ میر امن فورٹ ولیم کالج سے مستعفی ہو نے کے بعد کچھ عرصہ فرخ آباد میں مقیم رہے اور اس کے بعد بطور مترجم دارالتر جمۂ شمس الامرا حیدرآباد دکن سے منسلک ہو گئے ۔ انھوں نے اہل وعیال کو لکھنؤ میں چھوڑا اور خود دار الترجمہ کا کام کرتے رہے ۔ بہت ممکن ہے میر امّن کے لکھنؤ سے اس تعلق کو پیش نظر رکھتے ہوئے عبدالغفور نسّاخ نے سخن شعرا میں میر امّن

کو لکھنوی لکھا ہو۔ مقالہ نگار نے جو کچھ لکھا ہے وہ سب ایسے مفروضات کا سلسلہ ہے جس کی ایک کڑی بھی درست نہیں ۔ ان میں سے کوئی ایک بات بھی قابل قبول نہیں۔'' (۳۵)

محولہ بالا توضیح کے حوالے سے مرزا حامد بیگ اپنے مقدمۂ باغ و بہار میں رشید حسن خان کی طرف سے میر امن کی اولاد اور اہل خانہ کے باب میں اپنے بیان کا دفاع کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

'' اب اگر رشید حسن خان کی جانب سے میرے بیان کو حسب منشا توڑ مروڑ کر بیان کرنے کے سبب ، قارئین کا حافظہ یکسر جواب نہیں دے گیا، تو انھیں یاد ہوگا کہ میں نے میر علی جان صاحب کی ولدیت اور جائے پیدائش (پ: ۱۹۔۱۸۱۸ء فرخ آباد) کا ذکر کرتے ہوئے عبد الغفور نسّاخ (جنھوں نے میر امن کے نام کے ''بعد لکھنوی'' لکھا اور سید مبین نقوی (جنھوں نے میر امّن کو''فرخ آبادی'' کہا) کے علاوہ'' ستیۂ شمسیہ'' کے دیباچہ از نواب محمد فخر الدین خان محررہ: ۱۲۵۳ھ بمطابق ۱۸۳۷ء (جس میں واضح طور پر'' میر امان علی دہلوی' درج ہے)اور گارسیں دتاسی (جس نے جانصاحب کو میر امن کی بیٹی کہا) کے حوالے بھی دیے تھے۔جنھیں رشید حسن خان گول کر گئے۔''(۳۶)

'' باغ و بہار'' کے قصے کو خود میر امّن نے امیر خسرو سے منسوب کیا ہے ۔انھوں نے'' باغ و بہار'' کے دیباچے میں لکھا ہے :

'' قصہ'چہار درویش' کا ابتدا میں امیر خسرو دہلوی نے اس تقریب سے کہا کہ حضرت نظام الدین اولیا زری زربخش جو ان کے پیر تھے۔۔۔ ان کی طبیعت ماند ہوئی تب مرشد کا دل بہلانے کے واسطے امیر خسرو یہ قصہ ہمیشہ کہتے اور تیمارداری میں حاضر رہتے۔۔۔(۳۷)

مشہور یہی چلا آتا ہے کہ فارسی'' قصہ چار درویش''امیر خسرو کا لکھا ہو ہے لیکن نہ تو ان کی تصانیف میں کہیں اس کا ذکر ہے اور نہ اس فارسی قصے میں اس کا پتا لگتا ہے (۳۸)اس مسئلے کے تصفیے کی بابت رشید حسن خان نے اپنے مقدمۂ باغ و بہار میں لکھا ہے:

'' اس سے لازمی طور پر یہ مطلب نہیں نکلتا کہ یہ تصنیف بھی انھی کی ہے ؛لیکن اس ٹکڑے سے عام طور پر یہی مطلب لیا گیا ہے اور غالبًا میر امّن کا مقصد بھی یہی تھا کہ یہ قصۂ امیر خسرو کی تصنیف ہے ۔شیرانی صاحب نے اس سے متعلق جو مضمون لکھا تھا ۔۔۔ اس میں تفصیل کے ساتھ اس پر بحث کی ہے اور حتمی طور پر یہ ثابت کر دیا ہے کہ اس قصے سے امیر خسرو کا کچھ تعلق نہیں۔ یہ واقعی دلچسپ بات ہے کہ اب تک کی معلومات کے مطابق میر امّن واحد شخص ہے جنھوں نے یہ بات لکھی ہے ۔''نو طرز مرصع''میں اس روایت کا ذکر نہیں جو کہ میر امّن کا اصل مآخذ بھی ہے۔''(۳۹)

مرزا حامد بیگ نے بھی اپنے مقدمۂ باغ و بہار میں سائنٹی فک تحقیق کی بنیاد اور دلائل پر نہایت وقیع انداز میں اس بابت لکھا ہے :

'' جس طرح امیر خسرو کے نام کے ساتھ بہت سا الحاقی کلام ،آلاتِ موسیقی اور راگ راگنیاں منسوب ہیں ،

اُسی طرح فارسی قصہ چہار درویش بھی اُن کے نام کے ساتھ منسوب کر دیا گیا۔۔۔۔ حافظ محمود شیرانی کی تحقیق کے مطابق: فارسی قصہ چہار درویش کا مصنف فرقہ اثنا عشری کا رکن دکھائی دیتا ہے جبکہ امیر خسرو، سنی العقیدہ تھے۔ فارسی قصہ چہار درویش کے معلومہ نسخوں میں حافظؔ، نظیریؔ، فغانیؔ، عرفیؔ، غیرتیؔ اور شاپورؔ کے اشعار کی شمولیت ثابت کرتی ہے کہ اس قصے کا تعلق امیر خسرو کے عہد سے ہو نہیں سکتا اس لیے کہ یہ تمام شعرا بہت بعد کے ہیں۔۔۔۔ خواجہ سگ پرست کے قصے میں دور بین (ایجاد: ۱۷ ویں صدی عیسوی) کا حوالہ قصہ چہار درویش کو جدید الاصل ثابت کرتا ہے۔۔۔۔ یوں طے پایا کہ قصہ چہار درویش (فارسی) سے امیر خسرو کا کوئی تعلق نہیں، یہ محض ایک غلط روایت ہے۔'' (۴۰)

تا ہم اس حوالے سے سید نور الحسن ہاشمی کی تحقیق کچھ یوں ہے:

نو طرز مرصع میں چہار درویش کا مشہور قصہ ہے۔ یہ قصہ کہاں سے آیا۔ اس کے متعلق محمود شیرانی نے بڑی تحقیق کی ہے۔۔۔۔ ان کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ قصہ دراصل پہلے فارسی میں لکھا گیا۔ فارسی کے قدیم مولفین میں سے دو نام ہم کو اب تک معلوم ہو سکے۔ ایک کو حکیم محمد علی المخاطب بہ معصوم علی خان کا، دوسرے انجب جن کا ذکر مصحفی نے اپنے تزکرہ عقد ثریا میں کیا ہے۔۔۔۔ تحسین کے سامنے محمد علی کا نسخہ تھا۔ (۴۱)

مرزا حامد بیگ نے چند وجوہات کی بنا پر انجب کو ہی قصہ چہار درویش کا مصنف بتایا ہے۔ ان کے خیال میں چہار درویش کا مصنف کوئی شیعہ ہے۔ جس نے جگہ جگہ حضرت علیؓ کو خلیفہ برحق قرار دیا ہے اور انجب بھی شیعہ تھا۔ (۴۲) قصہ چہار درویش میں جگہ جگہ مختلف مما لک کے حالات بیان کئے گئے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کا مصنف کوئی ایسا شخص تھا جس نے گھاٹ گھاٹ کا پانی پیا تھا۔ انجب کی زندگی کا بڑا حصہ سیاحت میں گزرا تھا۔ (۴۳) اس کے علاوہ قصہ چہار درویش کی زبان میں جو عربی اور فارسی کی مہارت دیکھائی دیتی ہے۔ وہ انجب کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ (۴۴) چنانچہ یہی وہ دلائل ہیں جن کی بنا پر مرزا حامد بیگ قصہ چہار درویش کو انجب کی تصنیف قرار دیتا ہے۔ باغ و بہار پر ترجمہ کا نہیں تخلیق کا گمان ہوتا ہے۔ یہ تالیف ہے یا ترجمہ یا پھر تصنیف اس حوالے سے رشید حسن خان اپنی تحقیق کی بنیاد پر یہ رائے دیتے ہیں:

''یعنی یہ قطعی طور پر ثابت ہے کہ باغ و بہار ترجمہ نہیں۔ میر امّن نے اصلاً نو طرز مرصع سامنے رکھا ہے اور قصے کو اپنی زبان میں اور اپنے خاص انداز میں لکھا ہے۔۔۔۔ جس طرح گلزار نسیم ترجمہ نہیں تصنیف ہے اور جس طرح مہر نیم روز تالیف یا ترجمہ نہیں، تصنیف ہے۔ اسی طرح باغ و بہار کو بھی [جو ترجمہ تو خیر ہے نہیں] تالیف کی بجائے تصنیف کی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔ (۴۵)

جبکہ مرزا حامد بیگ باغ و بہار کو باز تخلیق قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''باغ و بہار نہ تو ترجمہ ہے اور نہ طبع زاد تخلیق، اسے Re-creation یا باز تخلیق کہا جا سکتا ہے۔'' (۴۶)

مرزا حامد بیگ نے اپنے مقدمہ ٔ باغ و بہار میں رشید حسن خان کی طرف سے باغ و بہار کی تدوین میں کوتاہیوں پر تفصیل سے لکھا ہے:

الف) رشید حسن خان نے ترتیب متن میں انتخابی طریقۂ کار سے کام لیا ہے۔لیکن ان کے بنیادی مآخذات میں ''باغ و بہار'' اشاعت اوّل، کلکتہ: ۱۸۰۴ء اور ڈنکن فاربس کے مرتب کردہ متن باغ و بہار مطبوعہ لندن: ۱۸۴۶ء کے ساتھ تمام کام کے لیے ہندی مینول (اپریل ۱۸۰۲ء) میں شامل قبل از نظر ثانی باغ و بہار کا نامکمل متن بھی شامل ہے اور باغ و بہار کا ترقیمہ اور تصدیق مصنف سے خالی ایک کم سواد نسخہ بھی۔(۴۷)

ب) رشید حسن خان نے باغ و بہار کے متن میں مکالموں کے لیے واوین کا استعمال نہیں کیا ،صرف رابطہ (Colon) کا نشان دے دیا ہے، جو رموزِ اوقاف کے خلاف ہے۔(۴۸)

ج) لاپرواہی کی انتہا یہ ہے کہ رشید حسن خان نے مقابلہ متون کے لیے فاربس کی مرتب کردہ باغ و بہار کی دو اشاعتوں کو چنا جو ناقص ہیں۔(۴۹)

د) رشید حسن خان کا املائی نظام جو اکثر مقامات پر خرابی کا باعث بنتا ہے، اسی سے درگزر بھی کریں، تو بھی رشید حسن خان کے تحریر کردہ مقدمے اور ان کے قائم کردہ ضمیمہ جات میں چند نمایاں اغلاط ایسی ہیں جن کی نشاندہی نہ کرنا ریسرچ سکالر کے ساتھ ناانصافی ہوگی (۵۰)

ہ) رشید حسن خان کے تحریر کردہ مقدمے میں اشتیاقِ توقیر بالجبر کی صورت میں دکھائی دیتی ہے جسے فنِ تحقیق میں ہمیشہ ایک خطرناک میلان قرار دیا گیا ہے۔(۵۱)

ز) رشید حسن خان نے میر امن اور بہادر علی حسینی کے فورٹ ولیم کالج میں تقرر اور ان کے مشاہرہ سے متعلق گمراہ کن معلومات فراہم کی ہیں۔''گلکرسٹ اور اس کا عہد'' از عتیق صدیقی صفحہ ۱۲۱ / اور ۱۷۶ کے ان بیانات پر بلاتحقیق تکیہ کرتے ہوئے رشید حسن خان نے بہ وقت تقرر میر امّن کو ''ماتحت منشی'' (بہ مشاہرہ چالیس روپے ماہوار) بتایا۔ یہ غور نہیں کیا کہ چالیس روپے ماہانہ تو ''منشی'' کو دیا جاتا تھا۔(۵۲)

و) رشید حسن خان کے یوں ٹھوکر بہ ٹھوکر کھاتے چلے جانے کا سبب وہی ''نشاط کار'' ہے جو اکثر احتیاط کے تقاضوں کو نظر انداز کر دینے پر مجبور کرتی ہے۔ رشید حسن خان نے میر بہادر علی حسینی کے تقرر سے متعلق عتیق صدیقی مرحوم کے بیانات پر بھروسہ کیا اور یہ نادر اطلاعات فراہم کر بیٹھے۔(۵۳)

میر امّن کی باغ و بہار کی نثر کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ رشید حسن خان نے نہ صرف باغ و بہار کا معتبر اور مستند متن تیار کیا ہے بلکہ تشریحات ، اختلاف نسخ، انتسابِ اشعار، تلفظ اور املا جیسے اہم مباحث کو بطور ضمیمہ جات شامل کر کے کتاب کی قدر و قیمت کو بڑھا دیا ہے۔اگرچہ باغ و بہار کی نثر کی تعریف و تجزیے کی روایت بہت پرانی ہے لیکن جس باریک بینی اور تحقیقی بصیرت کا ثبوت رشید حسن خان اور مرزا حامد بیگ نے دیا ہے اس کی مثال پہلے نہ تھی۔

رشید حسن خان نے اپنے مقدمے میں باغ و بہار کے اجزائے ترکیبی میں محاورہ اور روزمرہ کا تفصیل سے ذکر کیا ہے ۔ میر امّن کی با محاورہ اور روزمرہ سے آراستہ نثر کا ایک بہت بڑا کارنامہ یہ ہے کہ اردو نثر کا یہ نیا اسلوب ، فارسی کی اس طاقت ور نثری روایت کے دباؤ سے ذہنوں کو آزاد کرانے کا نقطۂ آغاز بنا ، جس نے ہندوستان کے اہل علم کو بے طرح اپنا گرویدہ بلکہ یوں کہیے کہ اسیر بنا رکھا تھا۔

رشید حسن خان کا خیال ہے کہ میر امّن کی اصل حیثیت ایک ایسے صاحب طرز نثر نگار کی ہے جنھوں نے اردو میں سادہ و پرکار پیرایۂ اظہار کا نقش درست کیا، روز مرہ اور محاورۂ اہل زبان کی اہمیت کو صحیح معنوں میں پہلی بار روشن کیا اور جس چیز کو چلن کہتے ہیں ، لغت اور قواعد کے مقابلے میں اس کی افضلیت اور برتری کا اظہار اور اعلان کیا۔ بقول رشید حسن خان:

''جن عناصر نے باغ و بہار کی نثر کو حسن بخشا ہے اور ساتھ ہی ساتھ اسے بول چال کی زبان سے قریب تر کر دیا ہے، ان میں سے تکرار الفاظ ، ان کے انداز بیان کی ایک اہم خصوصیت ہے ۔ اسی خصوصیت نے کئی شکلوں میں اپنے آپ کو نمایاں کیا ہے ۔کبھی تو وہ تابع مہمل کی پیوند کاری کرتے ہیں ؛اور اسی سے اردو پن اور بول چال دونوں کا رنگ چمک اٹھتا ہے ۔ مثلاً: کچھ پیس پاس رہے تھے ___ لوگ طعنہ مہنا دیتے ہیں ___ کپڑے وپڑے چھینک چھانک دیے''۔ (۵۴)

میر امّن موقعے کی مناسبت سے ایسے کئی الفاظ ایک ساتھ لاتے ہیں جو اصل میں ایک ہی مفہوم کی ترجمانی کرتے ہیں ۔ اس طرح بیان کا حسن تو پیدا ہوتا ہی ہے ،لفظیات کے ذخیرے پر لکھنے والے کی نظر کس قدر محیط ہے ، اس کا بھی اندازہ ہوتا ہے ۔ ایسے مقامات پرعبارت میں داستان سرائی کا سا انداز پیدا ہو جاتا ہے اور یہ داستانوی انداز پڑھنے والے کی نظر میں دلچسپی کی چمک پیدا کر دیتا ہے اور توجہ کو پوری طرح اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ مثلاً: ویسے ہی آدمی ،غنڈے ، پھانکڑے، مفت پر کھانے پینے والے، جھوٹے ،خوشامدی آکر آشنا ہوئے۔ ۔۔۔ ایک طرف آتش بازی ،پھلجھڑی ، انار ، داؤدی ، بھچنپا، مروارید ، مہتابی، ہوائی ، چرخی ،ہتھ پھول، جاہی جوہی، پٹاخے ، ستارے چھٹتے تھے۔(۵۵)

املا چونکہ رشید حسن خان کا پسندیدہ موضوع تھا ۔ جن پر ان کی کئی کتابیں سامنے آچکی ہیں۔ اس لیے انھوں نے ''باغ بہار'' کے دیباچے میں املا ، اسلوب اور زبان پر کھل کر بحث کی ہے۔ (۵۶)

رشید حسن خان نے میر امّن کی عبارت میں'' بہ'' کے مرکبات کے متعلق لکھا ہے کہ بعض مقامات پر ان مرکبات کے استعمال سے اجنبی پن پیدا ہو جاتا ہے ۔ مثال کے طور پر : رنگ برنگی مشعلیں ___ رنگ بہ رنگ کے جانور ___ پیڑھی بہ پیڑھی ___ لہو میں تر بہ تر ___ خوشی بہ خوشی ۔(۵۷)

رشید حسن خان نے میر امّن کی عبارت میں قافیہ بندی کی تعریف کی ہے اور یہ لکھا ہے کہ ایسے مقامات پر ذہن یہ محسوس نہیں کرنے پاتا کہ لکھنے والا قافیہ بندی کا ہنر دکھانا چاہتا ہے۔ (۵۸) جیسے: اور زمین پانی کا بتاشا؛ لیکن یہ تماشا ہے ___ شیر اور بکری ایک گھاٹ پانی پیتے ہیں ۔سارے غریب وغربا دعا دیتے ہیں۔ (۵۹)

رشید حسن خان نے اپنے مقدمے میں میر امّن کی نثر میں مناسبات لفظی کا جائزہ لیا ہے ۔ انھوں نے مراعات النظیر ، تضاد اور تجنیس جیسی صنعتوں کی متعدد مثالیں دی ہیں ۔ وہ لکھتے ہیں:

''صنعتیں اور لفظی رعایتیں ، سچ تو یہ ہے کہ زبان کا جز و رہی ہیں۔ جہاں تناسب بگڑ جاتا ہے بس وہاں نظر رکتی ہے اور میر امّن کے یہاں ایسے مقامات کم سے کم ہیں جہاں تناسب بگڑا ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ [جب تک خاص طور پر متوجہ نہ کیا جائے] عام طور پر یہ خیال بھی ذہن میں نہیں آتا کہ ''باغ و بہار'' کی نثر میں قافیہ بندی کا اہتمام بھی ہے اور لفظی رعایتوں کی صنعت گری بھی ہے ۔ یہ بات لکھنے والے کے کمال فن پر دلالت کرتی ہے'' (٦٠)

رشید حسن خان نے'' جمع الجمع '' کے استعمال میں بے قاعدگی کا ذکر کیا ہے ان کے نزدیک اس کتاب میں'' سلاطینوں اور'' امراؤں'' دو لفظ کئی جگہ آئے ہیں مگر راقم کے خیال میں یہ دونوں الفاظ جمع الجمع کے زمرے میں نہیں آتے ۔ اس کے علاوہ کہیں ایسے افعال بھی استعمال کیے ہیں کہ پڑھنے والا اچانک محسوس کرتا ہے کہ نیا لفظ سامنے آ گیا ہے۔ مثلاً : تنکیا لیں گے [سب کچھ چھین لین گے] چڑھواں جوتا اڑایا [پہنا] ۔

رشید حسن خان نے باغ و بہار میں سے ایسی مثالیں بھی دی ہیں جن کی تذکیر و تانیث میں اختلاف ہے ۔ لکھتے ہیں:

''میر امن کے یہاں بھی بعض مثالیں ایسی ملتی ہیں جو آج ہم کو بہت عجیب معلوم ہوں گی، مثلاً: انھوں نے'' رشک'' ،'' فانوس'' اور'' خلقت'' کو مونث لکھا ہے، جبکہ بطور عموم یہ لفظ مذکر مستعمل رہے ہیں''۔ (٦١)

رشید حسن خان کی طرح مرزا حامد بیگ نے اپنے مقدمے میں تذکیر و تانیث کے اختلاف کی بھی نشاندہی کی ہے ۔ لکھتے ہیں:

''باغ و بہار میں بعض الفاظ کی تذکیر و تانیث بھی محل نظر ہے ۔ مثلاً'' سوچ'' کو مذکر اور''غور، خم ، رشک اور خلقت کو مونث لکھا ہے'' (٦٢)

مرزا حامد بیگ نے اپنے مقدمے میں باغ و بہار کی نثر میں روزمرہ کے سقم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے :

''میر امّن نے کچھ الفاظ ایسے بھی برتے جن کا تعلق بے شک دلی کے روزمرہ سے ہے لیکن انشاء و ادب میں ان الفاظ کا چلن عام نہیں جیسے، چتّلا ، بلّی ، پیاہندے ، ناتھ ، انچت ، بتیانا' (٦٣)

مرزا حامد بیگ نے'' باغ و بہار'' کی نثر میں املا کی غلطیوں کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے:

''میر امن نے املائی صورت کو بھی عوامی تلفظ پر قربان کر لیا، جیسے'' سہی'' کی بجائے'' صحیح''،'' ماں'' کی بجائے'' ما''،'' مرصع'' کی بجائے مرصے اور'' جمعرات'' کی بجائے'' جمیرات'' لکھا (٦٤)

مرزا حامد بیگ نے میر امن کی باغ و بہار میں صنائع و بدائع اور شعری وسائل کو خوب سراہا ہے ، چنانچہ اس بابت اپنے مقدمہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''میر امن نے باغ و بہار میں صنائع وبدائع نیز شعری وسائل سے بھی کام لیا ہے اور اکثر مقامات پر کامیاب رہے ہیں۔(۱) خدا نے مار کر پھر جلا دیا (تضاد)(۲) تو نے اپنی عنایت سے سب کچھ دیا، لیکن ایک اس اندھیرے گھر کا دیا نہ دیا۔ (صنعت تجنیس)''(۶۵)

مرزا حامد بیگ نے میر امّن کے ہاں ''جمع الجمع '' کے استعمال میں بے قاعدگی کا ذکر کیا ہے اور بطور مثال '' سلاطینوں''، '' امراؤں'' کی نشاندہی کی ہے۔باغ و بہار کے اندر روزمرہ اور محاورات کے ضمن میں مرزا حامد بیگ کی تحقیق کا نچوڑ کچھ یوں ہے:

''انھوں نے بے شک اپنی زبان کو لحاظ میں رکھا، لیکن دہلی کے روزمرہ کو صحت لغوی پر ترجیح دی۔ مثال کے طور پر: میں نے باوجود سلطنت کے ایسا جواہر کبھو نہ دیکھا تھا، کھانے اقسام اقسام کے ۔۔۔۔ میر امّن کے یہاں بعض مقامات پر محاورے کی جو صورت دیکھنے کو ملتی ہے، اس کی وضع وقت نے بدل دی۔ مثال کے طور پر '' حیرت نے لیا'' اب 'حیرت ہوئی' لکھا اور بولا جاتا ہے ۔'' نتھنوں میں دم ہے' جدید صورت '' دم میں دم ہے''، '' کروٹیں کھا کر' جدید صورت '' کروٹیں لیں'' (۶۶)

ان چند تقابلی امثال سے رشید حسن خان اور مرزا حامد بیگ کے مزاج تنقید اور منہج تحقیق کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ مزاجوں کا یہ اختلاف دراصل مقاصد تحقیق کے فرق کے باعث ہے۔ رشید حسن خان کے پیش نظر باغ و بہار کے معیاری متن کی تدوین کا مقصد تھا چنانچہ انھوں نے میر امن کی نثر کے اجزائے ترکیبی پر مختصر لیکن جامع انداز میں تنقید کی ہے اور ایک عمدہ مثال قائم کی ہے۔ مرزا حامد بیگ کے پیش نظر میر امن کے حالات زندگی کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ اور رشید حسن خان کی تدوین میں موجود تحقیقی عمل میں کوتاہیوں کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ باغ و بہار کا ایک معتبر متن تیار کرنا تھا۔ دونوں محققین کے مشترکات کا جائزہ لینے کے بعد راقم یہ نتیجہ اخذ کرتا ہے کہ مرزا حامد بیگ نے اپنے مقدمۂ باغ بہار میں ٹھوس دلائل اور اسناد کی بنیاد پر جو تحقیقی جائزہ پیش کیا ہے، وہ رشید حسن خان کی تحقیقی کاوش کے مقابلے میں زیادہ مبسوط اور وقیع ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ عبدالحق، مولوی، مقدمات عبدالحق، اردو مرکز، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۳۱۴

۲۔ احتشام حسین، سید، اردو ادب کی تنقیدی تنقید، مکتبۂ خلیل، لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۱۴۳

۳۔ ارم سلیم، اردو میں مقدمہ نگاری کی روایت، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۵۹

۴۔ حنیف نقوی، پروفیسر، تحقیق و تدوین: مسائل اور مباحث، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۱۲ء، ص ۲۰۴

۵۔ ایضاً، ص ۲۰۴

۶۔ خلیق انجم (دیباچہ) مشمولہ: باغ و بہار، مرتبہ: رشید حسن خان، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۹

۷۔ ایضاً، ص ۹

۸۔ ایضاً،ص ۹،۱۰

۹۔ ایضاً،ص ۱۰

۱۰۔ رشید حسن خان (مرتب)،باغ و بہار، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی،۱۹۹۲ء،ص ۱۵

۱۱۔ ایضاً،ص ۸۴

۱۲۔ ایضاً،ص ۷۶

۱۳۔ مظہر محمود شیرانی / طارق علی شہزاد، باغ و بہار کے دو بہترین تدوینی نسخوں کے مقدمات کا تقابلی مطالعہ، مشمولہ: بنیاد، جلد: ۷، لاہور یونی ورسٹی آف منجمنٹ سائنسز، لاہور، ۲۰۱۶،ص ۳۲

۱۴۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر (مرتب)،باغ و بہار،اردو سائنس بورڈ،لاہور،۲۰۰۴ء،ص ۱۷

۱۵۔ ایضاً،ص ۱۰

۱۶۔ رشید حسن خان (مرتب)،باغ و بہار، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی،۱۹۹۲ء،ص ۵۱

۱۷۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر (مرتب)،باغ و بہار،اردو سائنس بورڈ،لاہور،۲۰۰۴ء،ص ۲۴

۱۸۔ خلیق انجم (دیباچہ) مشمولہ: باغ و بہار، مرتبہ: رشید حسن خان، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء،ص ۱۰،۱۱

۱۹۔ رشید حسن خان (مرتب)،باغ و بہار، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی،۱۹۹۲ء،ص ۱۱

۲۰۔ ایضاً،ص ۲۷،۲۸

۲۱۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر (مرتب)،باغ و بہار،اردو سائنس بورڈ،لاہور،۲۰۰۴ء،ص ۱۰

۲۲۔ ایضاً،ص ۱۰

۲۳۔ ایضاً،ص ۱۰

۲۴۔ ایضاً،ص ۱۰

۲۵۔ ایضاً،ص ۱۰

۲۶۔ ایضاً،ص ۱۰

۲۷۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر (مرتب)،باغ و بہار،اردو سائنس بورڈ،لاہور،۲۰۰۴ء،ص ۱۱

۲۸۔ رشید حسن خان (مرتب)،باغ و بہار، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی،۱۹۹۲ء،ص ۲۶،۲۷، ۲۸

۲۹۔ ایضاً،ص ۲۸

۳۰۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر (مرتب)،باغ و بہار،اردو سائنس بورڈ،لاہور،۲۰۰۴ء،ص ۵۱

۳۱۔ ایضاً،ص ۱۳،۱۴

۳۲۔ رشید حسن خان (مرتب)،باغ و بہار، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی،۱۹۹۲ء،ص ۳۲

۳۳۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر (مرتب)،باغ و بہار،اردو سائنس بورڈ،لاہور،۲۰۰۴ء،ص ۵۵

۳۴۔ ایضاً،ص ۵۵

۳۵۔ ایضاً،ص ۳۷،۳۸

۳۶۔ ایضاً،ص ۵۷

۳۷۔ میر امّن دہلوی، باغ و بہار، پاپولر پبلی شنگ ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۲۹

۳۸۔ عبدالحق، مولوی، مقدمات عبدالحق، اردو مرکز، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۳۱۴

۳۹۔ رشید حسن خان (مرتب)، باغ و بہار، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۶۵

۴۰۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر (مرتب)، باغ و بہار، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۷۹،۸۰

۴۱۔ ہاشمی، سید نورالحسن (مرتب)، نو طرز مرصع، ہندوستان اکیڈمی، الہ آباد، ۱۹۵۸ء، ص ۳۲، ۳۳، ۳۸

۴۲۔ مظہر محمود شیرانی / طارق علی شہزاد، باغ و بہار کے دو بہترین تدوینی نسخوں کے مقدمات کا تقابلی مطالعہ، مشمولہ: بنیاد، جلد: ۷، لاہور یونی ورسٹی آف منجمنٹ سائنسز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۳۶

۴۳۔ ایضاً، ص ۳۶

۴۴۔ ایضاً، ص ۳۶

۴۵۔ رشید حسن خان (مرتب)، باغ و بہار، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۶۳

۴۶۔ مرزا حامد بیگ، ڈاکٹر (مرتب)، باغ و بہار، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۰۰۴ء، ص ۴۷

۴۷۔ ایضاً،ص ۱۰۴

۴۸۔ ایضاً،ص ۱۰۷

۴۹۔ ایضاً،ص ۱۰۷

۵۰۔ ایضاً،ص ۱۰۸

۵۱۔ ایضاً،ص ۱۰۸

۵۲۔ ایضاً،ص ۱۱۳

۵۳۔ ایضاً،ص ۱۱۳

۵۴۔ رشید حسن خان (مرتب)، باغ و بہار، انجمن ترقی اردو ہند، نئی دہلی، ۱۹۹۲ء، ص ۱۱۰،۱۱۱

۵۵۔ ایضاً،ص ۱۱۲

۵۶۔ مظہر محمود شیرانی / طارق علی شہزاد، باغ و بہار کے دو بہترین تدوینی نسخوں کے مقدمات کا تقابلی مطالعہ، مشمولہ: بنیاد، جلد: ۷، لاہور یونی ورسٹی آف منجمنٹ سائنسز، لاہور، ۲۰۱۶ء، ص ۴۵

۵۷۔ ایضاً،ص ۱۱۵

۵۸۔ ایضاً، ص ۱۱۵

۵۹۔ ایضاً،ص۱۱۸

۶۰۔ ایضاً،ص ۱۱۷

۶۱۔ ایضاً،ص۱۲۲

۶۲۔ مرزا حامد بیگ،ڈاکٹر (مرتب)،باغ و بہار،اردو سائنس بورڈ،لاہور،۲۰۰۴ء،ص ۹۱

۶۳۔ ایضاً،ص۹۴

۶۴۔ ایضاً،ص۹۴

۶۵۔ ایضاً،ص۹۳

۶۶۔ ایضاً،ص ۸۸، ۸۹